شہزاد:علی پور کے ایلی کا ایک کردار-تانیثی تناظر میں

ڈاکٹر روبینہ رفیق*

Abstract:

Our society has double standards regarding men and womens goodness, morality and character. Literatureand especially in fiction the female characters are usually analyzed from these doulbe standards. Thus even the femenistic critics have been unable to free themsleves from the grip of these double standards. The mian female character of Mumtaz Mufti's famosu novel "Alipur ka Alie", Shahzad, has also been judged from this propective. This study is an attempt to undrstand "Shahzad" from being a human being instead fo simply as a morally currupt, fake and hollow women.

تحقیق وتنقید کے ایوانوں میں ان دنوں جدیدیت، مابعد جدیدیت اور تانیثیت کے فکری مباحث کا بڑا چرچا ہے۔تانیثیت کے تحت اس امر پر زور دیا جارہا ہے کہ عورت کی شخصیت اور جذبات واحساسات کی پرکھ کے وہ پیمانے توڑ دیئے جانے چاہئیں جو صدیوں سے مرد نے اس کے شرم وحیا،حُسن ووفا،عقل وفہم اور ایثار وکردار کے حوالے سے تخلیق کر رکھے ہیں۔عورت کے عرفان نفس کے لیے اس فریکوئنسی پر آنے کی ضرورت ہے۔جس پر نفسی، ذہنی،محسوساتی، جذباتی اور روحانی طور پر وہ خود موجود ہوتی ہے۔اس تناظر میں نئے سوالات اور نئے زاویہ ہائے نظر وضع کئے جارہے ہیں لیکن ان کوششوں کے باوجود شعرو ادب کی دنیا میں عورت کی سٹیریوٹائپ (Stereotype) تصویر کشی ہونا ختم ہوئی ہے اور نہ ہی تنقید وتحقیق میں ان لفظوں کی تکرار جنہیں تلخی سے رد بھی کر دیا جاتا ہے۔

تانیثیت کے تناظر میں ادب پاروں میں عورت کی ذات کی تفہیم کی کوشش بے معنویت کا شکار یوں ہوئی

* شعبہ اُردو و اقبالیات،اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

کہ ''زندگی کے بہت سے نشیب وفراز کے معنی اندر ہی اندر ایک ماورائی نظام ترجمہ کے ساتھ منسلک کر کے سمجھنے اور مناسب لمحے میں اس کے اظہار کے انتظار سے لذت''(۱) کشید کرنے کی بجائے عجلت سے کام لیا گیا اور ''مردوں کی ہی بنائی ہوئی شعریات اور مردوں ہی کے وضع کردہ تصورات کی روشنی''(۲) میں رائے قائم کر لی گئی۔ یہ عجلت اردو ناول نگاری کی روایت کے ایک منفرد کردار ''شہزاد'' (علی پور کا ایلی از: ممتاز مفتی) کی تفہیم کے حوالے سے بھی برتی گئی۔

''علی پور کا ایلی'' ایک انحطاط پذیر سماج کے کمزور، احساس کمتری کے شکار اور توجہ کے طالب شخص کے بچپن سے جوانی تک کے سفر کی روداد ہے۔ جس کی زندگی باپ کی نفسانی فتوحات کے زعم، ماں کے ازلی باندی پن اور گرد وپیش (آصفی محلّہ) کی کثیف، بوجھل، بوسیدہ اور نیم تاریک فضا کے باعث حبس زدہ سی ہے۔ ایسے میں اس کے ایک عزیز کی بیوی ''شہزاد'' اس کی زندگی میں تازگی، شادابی اور روشنی کا استعارہ بن کر آتی ہے اور چھا جاتی ہے۔ نہ صرف ''ایلی'' کی زندگی میں بلکہ پورے آصفی محلے میں اس کی آمد یوں چھینٹے اُڑاتی ہے جیسے سوڈے کی بوتل میں کسی نے نمک کی چٹکی ڈال دی ہو:

> ''عورتوں نے اسے دیکھا تو ہونٹوں پر انگلیاں رکھ کر خاموش ہو گئیں۔ مردوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بوڑھے اسے دیکھ کر چپ چاپ مسجد کی طرف چل پڑے وہاں جا کر سبحان اللہ کا ورد کرنے لگے۔''(۳)

کیونکہ آصفی محلّہ کی سیلن زدہ، بوسیدہ فضا میں سانس لینے والی پژمردہ عورتوں کے مقابلے میں وہ ایک گلال پچکاری ہے۔ ایک نسبتاً آسودہ حال اور آزاد خیال خاندانی پس منظر کی حامل اور حسن وادا کے سارے شوخ رنگوں سے مزین وہ ''آصفی محلے کے جوہڑ میں اکیلی راج ہنس ہے۔ جس کی بولی کوئل کی کوک جیسی، جس کی چال لہریں لیتے پانی کی مانند ہے۔'' (علی پور کا ایلی، ص ۳۸۷) اس پر طرہ یہ کہ وہ انتہائی حاضر جواب اور بے باک بھی ہے۔ (وہ بے باکی جس کی سند ہمارا سماج شادی شدہ عورت کو خود دیتا ہے) مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صدیوں کے تخلیق کردہ مخصوص سماجی تصورات وتعصّبات کے تحت حُسن سادہ لوح ہو تو قابل قبول ہے لیکن بااعتماد اور بے باک ہو تو قابل تعزیر۔ چونکہ شہزاد بھی آرائش جمال کے بے اعتماد مرحلے سے گزر کر احساس جمال کی پراعتماد منزل پر ہے تو اس کا یہ وصف (بے باکی) دعوتِ گناہ بن جاتا ہے۔ اس کی ہر جنبش صلائے عام تصور کی جاتی ہے اور ہر ایک سے ہنس ہنس کے باتیں کرنے کی عادت میں بلاوے تلاش کیے جاتے ہیں۔ (ایضاً، ص ۳۶۰) اس کے عشق میں گرفتار خود ایلی، اس کے بارے میں متضاد خیال رکھتا ہے۔ ایک طرف وہ اسے بلند و بالا ہستی نظر آتی ہے۔ دوسری طرف مشاق کھلاڑی:

> ''رضا بولا..... میرا دل کہتا ہے یا تو مہارانی ہے یا مہترانی۔''
> ''کیا مطلب؟ ایلی بولا..... یا تو بہت اونچی چیز ہے یا نیچ بے حد نیچ۔'' (ایضاً، ص ۳۸۷)

اور ناول کے ناقدین نے بھی ''شہزاد'' کے کردار کا جائزہ اسی انداز فکر کے تناظر میں لیا ہے۔ اس کے حُسن کو سراہنے، اسے ایک منفرد کردار قرار دینے کے باوجود کبھی اسے ''بے حیا'' کہا گیا، کبھی نائکہ تصور کیا گیا اور کبھی آوارہ قرار دیا گیا۔ مثلاً:

> ''بے باکی، تیزی وطراری اور اس حد تک بے خوفی و بے حجابی کہ کبھی کبھی اس کا دامن بے حیائی سے جا ملتا ہے۔''(۴)

اور

> ''ایک بے باک، رنگین، معطر عورت جس کے ایک پلو سے نائکہ بندھی ہے اور دوسرے میں راہبہ۔''(۵)

اور یہ بھی کہ

> ''شہزاد.....اردو ناول میں اپنی نوعیت کا منفرد کردار ہے وہ اپنی بے حجابانہ حرکتوں اور ایلی، کی چھیڑ خانیوں کے نتیجے میں اسے اپنے جسم کی سلطنت پر قبضہ جمانے کی اجازت دیتی ہے.....لیکن ان دونوں کی آوارگی کی داستان میں جس قدر نقصان آوارہ گھریلو عورت کو ہوتا ہے۔ اتنا آوارہ مرد کو نہیں ہوتا۔''(۶)

یہ وہ بدنصیب کردار ہے جس کے بارے میں مردوں کی فرسٹریشن کا ہدف بننے والی آصفی محلے کی اپنے آپ کو عفت و پاکیزگی کا سرٹیفکیٹ عطا کر کے دل بہلانے والی، خود ترسی کا شکار عورتیں اور قابل قدر ناقدین ہی نہیں۔ خود اس کا خالق (ممتاز مفتی) بھی اسے ''عظیم عورت''(۷) قرار دینے کے باوجود لاشعوری طور پر اسی طرز فکر کے حصار میں نظر آتا ہے۔ جو حُسن بے باک کی تصویر صرف بازار کے چوباروں کے دریچوں کے فریم میں ہی دیکھتی ہے۔ ناول میں مختلف مقامات پر ''شہزاد'' کی آمد کی نوید کے استعارے اسی سوچ کے آئینہ دار ہیں۔

> ''شہزاد کی آمد سے پہلے فضاء میں گھنگھرو بجتے اور پھر چھم سے شہزاد اتر آتی۔'' (علی پور کا ایلی، ص ۱۷۵)
>
> ''اور کبھی سیڑھیوں سے طبلے کی تھاپ سنائی دیتی۔'' (ایضاً، ص ۲۷۳)

میری رائے میں شہزاد کی بے باکی، تیزی وطراری، بے خوفی اور رنگین و معطر شخصیت کو پارسائی کے دعووں اور نارسائی کی جھنجھلاہٹ کی وضع کردہ سماجی سوچ کی روشنی میں نائکہ قرار دینا زیادتی ہے..... یہ کہنا:

> ''کہ شادی شدہ عورت کا کسی اور سے محبت کرنا اور اس کے ساتھ گھر سے بھاگ جانا کسی بھی معاشرے میں قابلِ تحسین فعل نہیں۔ ہم اسے عورت کا جرأت مندانہ اقدام نہیں قابلِ نفرت فعل گردانیں گے۔''(۸)

درست.....مگر کیا اس پر نفرین بھیجنے اور بدکرداری کا فتویٰ عاید کرنے سے پہلے اس کے ان ''قبیح افعال'' کے گرد دائرہ بناتے ایک بڑے سوالیہ نشان پر غور کیا جا سکتا ہے؟ ان عوامل کی تلاش اور دریافت کی کوشش تو کی جا سکتی ہے جو اس کو اس قابل نفرت فعل پر آمادہ کرتے ہیں کیونکہ بے شک وہ ''عورت'' ہے مگر انسان بھی تو ہے اور اسے یہ حق

حاصل ہے کہ اس کی ''بے راہ روی'' کو انسانی حوالے سے بھی دیکھا جائے۔ بقول فیضؔ:

انصاف یہ ہے حکم عقوبت سے پیشتر
اِک بار سوئے دامنِ یوسف تو دیکھئے

شہزاد جو اپنے حُسن اور انفرادیت سے آگاہ ایک شوخ وشنگ لڑکی ہے اور اس کی شوخی اور ہنسی کے پیچھے چھپی نمی کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ شریف جیسے اپنی ذات اور محسوسات کے دائرے اور گم گشتہ محبت کے تصور میں گم مجہول شخص سے اس کی شادی بذات خود ایک المیہ ہے۔ ایک حسین، بااعتماد اور ذہین عورت کی موجودگی کو نظر انداز کر کے خلاؤں میں گزرے وقتوں کی شباہتوں کو ڈھونڈنا دراصل اس عورت کے وجود میں ایک بے انت خلا کی تخلیق کے مترادف ہے۔ یہ خلا شہزاد کے اندر بھی ہے جس میں وہ اپنی شوخی اور ہنسی سے زندگی کی گونج پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس خلا کو ایلی کی ''مجھے تم سے محبت ہے'' کی تکرار سے پُر کرنے کی سعی کرتی ہے کیونکہ یہ خلا محبت کا ہے۔ بدنی ضرورتوں کا نہیں کیونکہ شوہر چاہے بیوی سے محبت کا تعلق استوار نہ کر پائے لیکن اس ''بے چاری'' کو جسمانی تعلق کی عشرت سے محروم نہیں رکھتا۔ شریف نے بھی شہزاد کو اس عشرت سے محروم نہیں رکھا۔ اس پس منظر میں یہ کہنا کہ:

> ''وہ اپنی بے حجابانہ حرکتوں اور ایلی کی چھیڑ خانیوں کے نتیجہ میں اسے اپنے جسم کی سلطنت پر قبضہ جمانے کی اجازت دیتی ہے..... اسے جنسی تعلق قائم کرنے سے حیاتیاتی طور پر روک نہیں پاتی..... ان دونوں کا فعل دونوں کی نفسیاتی اور جنسی ضروریات کی تکمیل بھی فطری طور پر کرتا ہے۔''**(۹)**

اس تعلق کو جنسی ضرورت کی تکمیل کے تناظر میں دیکھنا تو شاید نفسیاتی واقعیت کے حوالے سے بھی درست نہ ہو لیکن عورت خاص طور پر شہزاد جیسی عورت کی نفسیاتی اور جذباتی ضرورتوں کے تناظر میں یہ محض علمی نوعیت کی سچائی بن کر رہ جاتی ہے۔ شہزاد کو جسمانی یا جنسی ضرورت نے نہیں توجہ اور محبت کی محرومی نے کمزور کر دیا اور وہ ایلی کے اظہار محبت کی تکرار سے ہار گئی کیونکہ اس کا وجود جبلی ضرورت سے زیادہ محبت کے لیے ترستا تھا۔ اسی لیے تو:

> ''شہزاد کا صرف ایک مطالبہ تھا کہ وہ دیوتا سماں بیٹھا رہے نہ تو اس کے آگے بھکشا کے لیے ہاتھ پھیلائے اور نہ ہی اٹھ کر کہیں جائے لیکن اس کی پریم مرلیا مدھر گیت بجاتی رہے۔ دراصل شہزاد فطری طور پر ''ان لنگھی'' عورت تھی اسے جسم سے لاگ تھی۔ اسے اپنے گرد محبت کا ہالہ رکھنے کا جنون تھا۔ وہ پنگھٹ کی پیاری تھی لیکن گگری بھرنے سے اُسے بیر تھا۔'' (علی پور کا ایلی، ص۵۸۳)

یہی اصل شہزاد ہے ایسی عورت جسم سے جس کی لاگ سمجھ میں آتی ہے کہ محبت کے آرزو بدن، بے محبت ریاکار سیجوں پر سج سج کے اکتا جاتے ہیں۔ مذہبی اور سماجی اجازت ناموں کے سائے میں استوار ہونے والا جسمانی تعلق رفاقت کے پائیدار احساس میں نہیں ڈھلتا محض جذبے اور دل کی آبروریزی بن کر رہ جاتا ہے۔ لیکن مرد چاہے

شوہر ہو یا محبوب اکثر اوقات عورت کی ساری محرومیوں اور تشنگیوں کو بھی اور اس کی آرزوؤں اور خواہشوں کو بھی جانے کیوں جسم کی آسودگی کے حوالے سے مکمل کرنا چاہتا ہے۔ یہی تکلیف دہ احساس شہزاد جیسی جرأت مند ''پنجابن بلی'' کو بھی توڑ اور بکھیر کر رکھ دیتا ہے۔ ''ایلی'' کے ''سادی'' کی طرف جذباتی طور پر ملتفت ہونے کے باوجود شہزاد سے جسمی تعلق کا تقاضا اس کے دل پر گہرا گھاؤ لگاتا ہے۔ یہاں وہ اپنے باطن کی دکھ سے بھیگی فضا کے ساتھ پورے طور پر بے نقاب ہوتی ہے۔

> ''میں بھی احمق ہوں'' وہ بولی۔ ''جو یہ سمجھ بیٹھی کہ میں تمہاری نگاہ میں بہت کچھ ہوں۔ مجھے کسی کی نگاہ میں بہت کچھ ہونے کی ہوس تھی.....تم یہ سمجھتے رہے اور سمجھتے ہو کہ میں ہر آتے جاتے کو مسکرا مسکرا کر اپنے دام میں پھنساتی ہوں تاکہ اپنی آگ ٹھنڈی کر سکوں۔ میں نے تمہارا جلاپا بھی برداشت کیا اور یہ سب کس لیے۔ کیا ملا مجھے کہ اب تم مجھے..... اپنی ہوس کا شکار بنا رہے ہو تمہاری نگاہ میں میری کوئی وقعت نہیں تمہارے لیے میں ایک دل بہلاوا ہوں اور ہوس پوری کرنے کا ذریعہ ہوں۔'' (ایضاً، ص ۶۶۷)

اس کے بعد شہزاد کی نفسیات کا انوکھا زاویہ سامنے آتا ہے اس کے اندر وہ منفرد عورت انگڑائی لے کر بیدار ہوتی ہے جو محبت میں توقعات کی شکست اور محبوب کی جانب سے عزتِ نفس کی پامالی کا بدلہ خود اپنے وجود سے لیتی ہے۔ یہ انتقام اس کی ذات کے انہدام سے جنم لیتا ہے اور سماجی رواجوں کو بھی لرزہ براندام کر دیتا ہے۔ صفدر کے ساتھ شہزاد کی وابستگی اور اس کی بابت ایلی کے پوچھنے پر اس کا بپھرنا کہ ''میں کیا مجرم ہوں جو جواب دیتی پھروں'' دونوں کی معنویت اس پس منظر میں کھلتی ہے۔

ذات کے انہدام کے مسلسل عمل نے بالآخر شہزاد کو تھکا دیا اور وہ پانچ بچوں سمیت گھر اور شوہر کو چھوڑ کر ایلی کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئی اور پھر ایسا کر بھی گزری اور اس کے اسی فعل نے اسے بہت سے ناقدین کی نگاہ میں معتوب ٹھہرایا۔ حالانکہ اس کے اس فعل کے پس منظر میں زندگی کی بے روح یکسانیت تھی جس نے اس کے وجود کو محض استعمال کی چیز بنا کر رکھ دیا تھا اور اس نے استعمال کی چیز بنے رہنے سے انکار کر دیا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ عصمت چغتائی کے نسوانی کرداروں کو تو اس پس منظر میں سراہا جاتا ہے۔ (۱۰) لیکن شہزاد کے کردار کو اس زاویے سے کم ہی دیکھا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شہزاد کا کردار ہماری اخلاقی قدروں سے میل نہ کھانے کے باوجود عورت کی نفسانی، جذباتی اور ذہنی کیفیات کی عکاسی کے حوالے سے اردو ناول کے لازوال کرداروں میں سے ایک ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انوار احمد، ڈاکٹر، ''ڈاکٹر عقیلہ اور اس کی کتاب کے لیے چند لفظ''، مشمولہ ''اردو ناول میں تانیثیت'' از، ڈاکٹر عقیلہ جاوید، شعبہ اردو بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۵ء، ص۹

۲۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ڈاکٹر، ''تانیثیت کی تفہیم''، مشمولہ ''ادبیات'' (خواتین کا عالمی ادب)، اسلام آباد، شمارہ ۵۹-۶۰، ۲۰۰۲، ص۱۸

۳۔ ممتاز مفتی، ''علی پور کا ایلی''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص۱۴۴

۴۔ اسلم آزاد، ڈاکٹر، ''اردو ناول آزادی کے بعد''، سیمانت پرکاشن، نئی دہلی، ۱۹۹۳ء، ص۱۷۶

۵۔ محمد عمر، ''دلدل''، مشمولہ ''مفتی جی''، مرتبہ: ابدال بیلا، فیروز سنز، لاہور ۱۹۹۸ء، ص۶۳۸

۶۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، ''اردو ناول کے بدلتے تناظر''، ویلکم بک پورٹ، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص۱۴۵-۱۴۶

۷۔ ممتاز مفتی، ''ایک مکالمہ''، مشمولہ ماہنامہ ''سپوتنک''، لاہور، جلد۱۶، شمارہ جنوری ۲۰۰۵ء، ص۲۱

۸۔ عقیلہ جاوید، ڈاکٹر، ''اردو ناول میں تانیثیت''، ص۱۹۸

۹۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، ''اردو ناول کے بدلتے تناظر''، ص۱۴۵-۱۴۶

۱۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:۔
وزیر آغا، ڈاکٹر، ''ساختیات اور سائنس''، مکتبہ فکر و خیال، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص۷۱

> ''عصمت چغتائی کے بیشتر کرداروں کے پس منظر میں ایک عورت موجود ہے جو گھر کی مشین کا محض ایک بے نام پرزہ بن کر نہیں رہ گئی بلکہ جس نے اپنے الگ وجود کا اعلان کرتے ہوئے ماحول کی سکہ بند قدروں اور رواجوں کو اگر منہدم نہیں کیا تو کم از کم لرزہ براندام ضرور کر دیا ہے۔''

❁.....❁.....❁